رشید اختر

مسلمان مؤرخین

صاحب کشف الظنون کے بیان کی رُو سے لغوی لحاظ سے تاریخ کے معنی محض وقت کے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ عرفاً تاریخ سے مراد کسی ایک وقت کا تعین ہے جس کی طرف کسی زمان کی نسبت کی جا سکے خواہ یہ ماضی ہو یا مستقبل عرف اور لغت دونوں سے قطع نظر لفظ تاریخ جب علم کے سبب منسوب ہوا تو اس کی تعریف قطعاً اور ہی ہو گئی۔ علم تاریخ سے مراد وہ معرفت ہے جو انسانی گروہوں، ان کے شہروں، ان کے رسوم و رواج، اور ان کے اشخاص کے کارناموں اور انساب سے متعلق ہے۔ لیکن انہوں نے اس موضوع پر کچھ زیادہ تفصیل بہم نہیں پہنچائی۔ البتہ ان تمام کتابوں کے نام لکھ دیے ہیں جو ان کے زمانہ تک مختلف علماء نے تصنیف فرمائیں۔

مسلمانوں سے پہلے اس دنیا میں کئی بڑی قومیں ابھریں، خصوصیت سے یونانی، رومی، قوطی، ہندی مصری اور ایرانی، تو اپنے اپنے وقت میں بہت اونچے اٹھے تھے۔ اور یہ لازمی بات تھی، کہ ان کے علماء اپنی قوم کی تہذیبی سرگزشت لکھتے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ اس فن نے ایک بڑے علم کی حیثیت صرف اسی وقت حاصل کی جب عرب مسلمانوں نے اس پر قلم اٹھایا، اور ہمارا یہ دعویٰ قطعاً کسی مبالغہ پر مبنی نہیں کہ عربوں سے پہلے اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں، انہیں فنی حیثیت سے کوئی بڑا درجہ کبھی حاصل نہ ہوا۔ اور اس کی بڑی وجہ اس کے سوا کوئی دوسری نہ تھی، کہ اس وقت واقعات و حالات کو پرکھنے

کا کوئی صحیح معیار قائم نہ ہوا تھا، اور قصے، کہانی اور روایت میں کوئی صحیح حدِ فاصل کھینچی نہ گئی تھی۔ ہمیں بعض ہندی مقدس کتابوں یا یونانی، ایرانی اور مصری تاریخی دستاویزوں کی عظمت و بزرگی کا پورا پورا اعتراف ہے مگر اس اعتراف کے باوجود ہمارا دعویٰ ہے کہ قصہ و کہانی اور روایت کو جس چیز نے سب سے پہلے ایک دوسرے سے الگ کیا، وہ حضورؐ کا یہ ارشاد تھا۔

"من کذب علیّ معتمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار"

(ترجمہ) جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے۔ وہ اپنا دوزخ میں ٹھکانا بنالے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی اس وقت سب سے بڑا محور اور روایات و تحدیث کا نقطہ اتصال تھی۔ اس وقت کے عرب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات گرامی کو کائنات کی سب سے بڑی شخصیت سمجھتے تھے۔ اور یہ لازمی بات تھی کہ اس بڑی شخصیت کی زندگی اور موت کے بعد مسلمان ان ہی کے حالات بیان کرنے میں ہر قسم کی لذت پا سکتے تھے اور اس بات کا امکان تھا، کہ بعض ایسے لوگ بھی نکل آئیں گے جو حضور علیہ الصلوٰۃ السلام سے بعض ایسی باتیں بھی منسوب کریں گے جو حضورؐ نے نہ کہیں جیسا کہ اس سے پہلے بڑے انبیاء علیہم السلام یا دوسرے بڑے لوگوں کی طرف منسوب کی جا چکی تھیں۔ حضورؐ نے یہ تہدید فرما کر اپنی ذات کی طرف ہر قسم کے جھوٹ کی نسبت کی روک تھام کر دی اور ساتھ ہی جھوٹ بولنے کو ایک بہت بڑا گناہ ٹھہرا کر مسلمان معاشرہ کو اس برائی سے پورے طور پر پاک کرنے کا ایک کامیاب اقدام کیا۔ محض حضورؐ ہی نے نہیں، قرآن حکیم نے بھی جھوٹ کی سخت مذمت کی۔ اگر اسلامی معاشرہ، یا ضابطہ قانون کی رو سے جھوٹ ایک بڑا گناہ نہ ہوتا اور خصوصیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات گرامی سے جھوٹی باتوں کی نسبت کرنے والے کو دوزخ سے نہ ڈراتے تو ہماری تاریخ شاید ہندی، ایرانی، یونانی، رومی اور مصری تاریخی دستاویزوں کے معیار سے بلند نہ ہوتی، اور ہم یہ قطعاً دعویٰ نہ کر سکتے کہ یہ ہم تھے جنھوں نے تاریخ کو جھوٹ سے بہت حد تک پاک کر دیا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس تہدید کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دور ایسا آیا کہ کچھ ایسے لوگوں نے جو اسلام سے قلبی رشتہ نہ رکھتے اور اسلام جن کے حلقوں سے نیچے نہ اترا

تھا محض علماء اور حالاتِ نبوی جاننے والوں کی صف میں شریک ہونے کی خاطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں غلط باتیں بیان کیں اور اس طرح ہماری تاریخ کو گدلا کرنے کی ایک خطرناک کوشش کی، مگر ہمارے شروع کے مؤرخین نے اسناد کو صحیح روایت کا ایک ضروری جز بنا کر اس خرابی کا انسداد کر دیا۔ علمائے حدیث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق غلط بیانی دُور کرنے کے لیے ایک عظیم الشان جدوجہد کی تھی۔ بڑے بڑے علمائے حدیث کے بڑے راویوں کے حالات جاننے کے لئے دور دراز کے سفر کئے اور اس طرح ایک ایسے علم کو روشناس کرایا جو پہلے موجود نہ تھا اور علم اسماء الرجال کو پہلے تاریخ کا حصہ نہ تھا، مگر مسلمان علماء نے اسے ایک بنیادی علم قرار دے کر اپنی تاریخ کا ایک لازمی حصہ بنا لیا۔

ہمیں اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ پرکھ میں جو سختی دینی روایات میں کی گئی وہ محض تاریخ میں ملحوظ نہ رہی، لیکن اس سختی نے محض تاریخ پر بھی بہت کافی اثر ڈالا، اور ہمارے پہلے بڑے مؤرخین محمد بن اسحاق الواقدی، ہشام ابن ہشام، ابن سعد ہمدانی، اور البلاذری پر ان کے زمانہ کے محدثین نے جو جرح کی اس سے ہمارے مؤرخین کے قلم کانپ کر اٹھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ یہ تنقید اور یہ سختی بھی ہماری تاریخ کو "کندن" بنانے میں بڑی مدد ہوئی، اور علمائے تاریخ جانتے ہیں کہ علمائے حدیث کی اس تنقید سے بچنے کے لئے محمد بن اسحاق، الواقدی، ابن سعد اور دوسرے بزرگوں نے جو مجموعے مرتب فرمائے، جو تاریخی یادداشتیں لکھیں، ان میں اسناد کے التزام کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رکھی کہ وہ ایسے رواۃ اور رجال اپنی اسناد میں شامل نہ کریں جنھیں محدثین مجروح کر چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہمیں ایک اور دعویٰ ہے کہ ہماری تاریخ کو دنیائے تاریخ میں اس لئے بھی امتیاز نصیب ہوا کہ ہمارے مؤرخین کے حافظے دُنیا جہان کے مؤرخین سے کئی گنا زیادہ قوی تھے۔ دنیا میں کوئی قوم آج تک یہ دعویٰ نہیں کر سکی کہ اس کے مؤرخین کے حافظوں کی کیفیت وہ تھی جو ہمارے محمد بن اسحاق، واقدی، ابن سعد ہمدانی، بلاذری، بخاری، مسلم، ابو داؤد، سفیان بن ثوری، عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، ابوالفرج اصفہانی، محمد بن حسن، علی بن المدینی، سفیان بن عیینہ، اسحاق بن راہویہ، ترمذی، نسائی، الخطیب الحاکم، البیہقی، دارقطنی اور ان جیسے کئی سو محدثین و مؤرخین کے حافظوں کی تھی اور ہم ان قدرتی اسباب پر قطعاً

بحث نہیں کر سکتے جو اس حیرت انگیز قوت حافظہ کے باعث ہوئے۔

عرب ریت کی پیداوار تھے' ان میں سے بہتوں کے حافظے بڑے مضبوط تھے مگر بخاری، اسحٰق بن راہویہ عبداللہ بن مبارک، مسلم، نسائی، ترمذی، ابوداؤد، ابوالفرج اصفہانی، ہمدانی عرب نہ تھے، انھوں نے بخارا خراسان، مرو اور دوسرے علاقوں میں پرورش پائی تھی۔ ان قدرتی اسباب سے لاعلمی کے باوجود ہم ایک بڑی بات سے ضرور واقف ہیں جس نے ان "حافظوں" کو غیر معمولی قوت بخشی تھی۔ یہ اسلام کا اعجاز اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے غیر معمولی عشق تھا۔ علما جانتے ہیں کہ محدثین و مؤرخین کے اس گروہ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کس درجہ عشق تھا۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی دوسری قوم نے کبھی اور کسی وقت اپنے نبی سے وہ عشق نہیں کیا، جو ان محدثین و مؤرخین کو تھا۔ بہر حال مسلمان علماء وہ پہلے مؤرخین تھے جنہوں نے علم تاریخ کے معیار کو بہت اونچا اٹھایا اور اسے زیادہ سے زیادہ "یقینی" بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

ابتدائی دور

ابن الندیم کے بیان کی رو سے جاہلیت کے دور میں ایسے لوگوں کا ایک طبقہ ہمیشہ موجود رہا، جنھیں مختلف عرب قبائل کے انساب زبانی حفظ تھے مگر اسلام سے پہلے حتیٰ کہ امیر معاویہ کے اقتدار کے وقت تک اس باب میں کوئی کتاب مرتب نہ ہوئی تھی۔ امیر معاویہ کے بھائی زیاد گورنر کوفہ و بصرہ پہلے عالم ہیں جنھوں نے تاریخ کے اس مخصوص شعبے انساب پر پہلی کتاب لکھی۔ ابن الندیم نے یہ بات ایک عالم ابی الحسن الکوفی کے ایک مخطوطے سے پڑھی تھی[1]۔ ابن الندیم ہی کی روایت کے مطابق انساب کا دوسرا بڑا مؤلف عبید بن شریہ الجرہمی تھا، جو امیر معاویہ کے زمانہ میں مشہور ہوا وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی سعادت اسے نصیب نہ ہوئی عبید اخبار متقدمہ اور ملوک العرب والعجم کے انساب کا بڑا عالم تھا۔ جب امیر معاویہ کے پاس ایک خط کے ساتھ آیا، تو امیر معاویہ نے اس سے بہت سی باتیں پوچھیں۔ وہ صنعاء کا رہنے والا تھا، اور وہیں پرورش پائی تھی۔ امیر معاویہ کے بعد عبدالملک سے بھی اس کا تعلق قائم رہا۔ غالباً ان دونوں بادشاہوں نے اسے خوب نوازا بھی تھا۔ ابن الندیم کے بیان کی رو سے امیر معاویہ نے اس سے پچھلے بادشاہوں

۱؎ الفہرست ابن الندیم ص ۸۹

اور زمانوں کے متعلق جو استفسارات کئے اور ان کے جو جوابات اس نے دیئے وہ قلم بند کر لئے گئے اور ان ہی قلم بند کی ہوئی معلومات کو بعد میں کتاب الامثال[1]، کتاب الملوک[2] اور اخبار الماضیین[3] کے نام ملے۔

عبید بن شریہ کے شاگردوں میں زید بن الکیس علاقہ ابن کریم الکلابی مشہور ہوئے الکابی کی ایک کتاب الامثال پچاس ورق پہ مشتمل تھی، ابن الندیم نے یہ کتاب اپنی آنکھوں سے دیکھی اور پڑھی تھی۔ صحار بن العباس العبدی ایک اور ماہر انساب مؤلف امیر معاویہ کے زمانہ میں ممتاز ہوا۔ اس نے بھی کتاب الامثال کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کے حجم کے بارے میں ابن الندیم نے کوئی روایت نہیں کی۔ الولید بن الحصین ابوالمثنی الکلبی ایک اور ماہر انساب مشہور ہوا۔ مگر اس نے کوئی کتاب تالیف نہیں کی۔ البتہ صالح بن عمران المصغدی نے ایک کتاب "عراة ذات الاباطیل" تالیف کی۔ مجالد بن سعید، سعد القصیر، عیسیٰ بن داب، زہیر بن میمون، الفرقبی وغیرہ کئی اور ماہر انساب اسی پہلے دور میں مشہور ہوئے۔ مگر انہوں نے کوئی کتاب تصنیف نہ کی تھی۔

اس پورے دور میں عوانہ بن الحکم بن عیاض ابوالحکم پہلے عالم ہیں جنھیں ہم علم الانساب کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معیاری مؤرخ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ابوالحکم کوفہ کے رہنے والے اور شعر، نسب اور اخبار کے عالم تھے سنہ ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔ ابن الندیم نے ان کی تالیفات میں کتاب التاریخ اور کتاب سیرۃ معاویہ و بنی امیہ کا ذکر کیا ہے۔ گو یہ کتابیں چھپ نہیں سکیں لیکن ان کے موضوعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعد کی تاریخ و سیر میں کسی نہ کسی حیثیت میں ضرور استعمال کی گئیں۔ کیونکہ ان کی حیثیت ان ماخذوں کی تھی، جنھیں ہم عینی شاہدوں کے بیانات قرار دے سکتے ہیں۔

ابوالقاسم حماد بن سابور بھی اسی دور کے ایک راویۃ الاخبار تھے، مگر انہوں نے اپنی زندگی میں کوئی تصنیف نہ کی تھی۔ لیکن ان کی موت کے بعد ان کی کہی ہوئی باتیں بعض لوگوں نے ان کے نام سے جمع کر دیں۔ ابوالقاسم حماد ویلم کے ایک غلام تھے جنھیں ابن عروہ نے اپنی بیٹی لیلیٰ کو ہبہ کر دیا تھا۔ حماد لیلیٰ کی خدمت میں کوئی پچاس سال رہے۔ لیلیٰ کی موت کے بعد ایک شخص عامر بن مطر نے انھیں دو سو درہم میں خرید لیا اور پھر

---

[1] الفہرست ابن الندیم ص ۸۹ [2] ایضاً ص ۹۲ [3] الفہرست ابن الندیم ص ۹۱، ۹۰

آزاد کر دیا - ابن الندیم نے ایسی کوئی روایت بیان نہیں کی جس سے علم ہو سکے کہ حماد نے تاریخ یا انساب کا علم کس سے پڑھا۔ البتہ وہ شعر و اخبار کے عالم تھے اور انہیں مہدی کی ہم جلیسی کا شرف نصیب ہوا۔ اس لحاظ سے ہم انہیں عباسی علماء میں شامل کر سکتے ہیں۔ ابن الندیم کی روایت کی رُو سے پہلے دور کے مؤرخین اور ماہرین انساب میں ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بھی شامل ہیں۔ انہوں نے کتاب السیر فی الاخبار والاحداث کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، جو ان سے ان کے شاگرد ابو عمرو معاویہ نے آگے روایت کی۔ ابو اسحٰق یوں تو فاضل تھے مگر حدیث میں کثیر الغلط مشہور ہوئے۔ انہوں نے ۱۸۴ھ میں وفات پائی[1]

نجیح المدنی صاحب المغازی بھی پہلے دَور کے مؤرخین میں سے تھے ہادی کے زمانہ میں فوت ہوئے اور کتاب المغازی کے نام سے ایک کتاب وراثت میں چھوڑی۔

ان سب میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ الازدی زیادہ مشہور ہوئے جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ممتاز ساتھیوں میں سے تھے۔ انہوں نے تاریخ پر کئی کتابیں لکھیں کتاب الجمل، کتاب صفین کتاب اہل النہروان والخوارج کتاب الغارات، کتاب الحریث بن راشد، کتاب مقتل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کتاب مقتل حجر بن عدی، کتاب مقتل محمد بن ابی بکر، مقتل الاشتر، محمد بن ابی حذیفہ، کتاب الشوریٰ و مقتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کتاب المستورد بن علفہ، کتاب مقتل حسین علیہ السلام، کتاب وفات معاویہ و ولایۃ ابنہ، یزید و وقعۃ الحرۃ، حصار ابن الزبیر رضی، کتاب المختار بن ابی عبید، کتاب سلیمان بن صرد و عین الوردہ، کتاب مرج راہط و بیعۃ مروان و مقتل الضحاک بن قیس، کتاب مصعب و ولایۃ العراق، کتاب مقتل عبداللہ بن زبیر، کتاب مقتل سعید بن العاص، کتاب بلال الخارجی کتاب نجدہ ابی فدیک، کتاب حدیث الازارقہ، کتاب حدیث روستقباذ، کتاب شبیب الخارجی و صالح، کتاب مطرف، کتاب دیر الجماجم، خلع عبد الرحمٰن بن الاشعث، کتاب یزید بن مہلب و مقتلہ، کتاب خالد بن عبداللہ القسری، کتاب یحییٰ اور کتاب الضحاک۔ ابن الندیم نے اس بزرگ مؤلف کے مؤلفات کے نام لکھنے کے بعد علماء کا قول نقل کیا ہے کہ وہ عراق، اس کے اخبار و حالات اور اس کی فتوحات کے علم میں تمام دوسروں پر فائق تھے[2] یہ بات ان کے مصنفات کے نام پڑھنے سے بھی عیاں ہوتی

---

[1] الفہرست ابن الندیم ص ۹۲؛ [2] الفہرست ابن الندیم ص ۹۳، ۹۴، ۹۵

ہے، اور ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے بعد آنے والے مؤرخین نے جو کچھ لکھا، ان سے لے کر لکھا ہے یوں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان مؤلفین نے دوسرے طریق سے بھی کام لیا ہو، لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ ابو مخنف اس تفصیل میں قطعی حجت تھے۔ افسوس ان کی کوئی کتاب ان کے نام سے چھپ نہیں سکی۔

ابو مخنف کے طبقہ ہی سے ایک اور بزرگ ابو الفضل نصر بن مزاحم بھی تھے۔ انھوں نے کتاب المغازات کتاب صفین، کتاب الجمل، کتاب مقتل حجر بن عدی اور مقتل الحسین علیہ السلام تالیف کیں۔ ان کی کتابیں بھی چھپنے سے رہ گئیں۔ لیکن ان کے بعد کے مؤلفین نے ان کی کتابوں سے خوب کام لیا۔ اسحٰق بن بشر بھی اسی زمانہ کے مؤرخ ہیں، انہوں نے کتاب المبتدا، کتاب الردہ، کتاب الجمل، کتاب الویہ، کتاب صفین اور کتاب حفر زمزم تالیف کیں۔ سیف بن عمر الاسدی کا تعلق بھی اسی طبقہ سے ہے۔ ابن الندیم نے ان کی تالیفات میں الفتح الکبیر والردۃ کتاب الجمل بیان فرمائیں عبدالمنعم بن ادریس بھی اسی گروہ سے تھے کتاب المبتدا کے نام سے صرف ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ عامر بن حفص ابو الیقظان النسابہ، امام المدائنی کے اساتذہ میں سے ہیں۔ بڑے صاحب علم اور ثقہ راوی تھے ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ ابن الندیم نے ان کی ان تالیفات کے نام لکھے ہیں۔ کتاب حلف تمیم بعضها بعضاً، کتاب اخبار تمیم، کتاب نسب خندق واخبارہا، کتاب النسب الکبیر، کتاب النوادر[1]

یہ وہ علمائے تاریخ ہیں، جو انساب و روایات کے ماہرین کہے گئے ہیں۔ درحقیقت یہ سب کے سب ہماری تاریخ کی ان جلیل القدر مصنفات کے اصل ماخذ ہیں جنھوں نے بعد میں غیر معمولی شہرت پائی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان بزرگ علماء کی مصنفات کے ساتھ کس وقت بے اعتنائی برتی گئی، لیکن یہ امر واقعہ ہے۔ کہ چوتھی صدی ہجری تک ان بزرگوں کی تصانیف موجود تھیں اور ابن الندیم نے جو اس دور کی ایک بڑی شخصیت ہیں، مؤلفات میں سے اکثر بچشم خود دیکھیں، ان بزرگوں کی ہر بزرگی کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی وہ شرف نہیں پایا جو ان کے زمانہ کے ایک بزرگ مؤرخ محمد بن اسحاق کے حصہ میں آیا۔

---

[1] الفہرست ابن الندیم ص ۹۴، ۹۵

محمد بن اسحاق

محمد بن اسحاق المدنی صاحب المغازی ہمارے پہلے مؤرخ ہیں جنھوں نے ابو جعفر منصور کے زمانہ میں تاریخ میں پہلی کتاب "المغازی" مرتب کی۔ ابن خلکان ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وکان محمد المذکور ثبتاً فی الحدیث عند اکثر العلماء واما المغازی والسیر فلا تجہل امامتہ[۱]"

محمد مذکور اکثر علماء کے نزدیک حدیث میں حجت تھے۔ خصوصیت سے مغازی و سیر میں ان کی امامت مسلّم تھی، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ابن خلکان نے امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے:

من اراد ان یتبحّر فی المغازی فہو عیال علی ابن اسحاق[۲]"

جو بھی مغازی میں تبحّر حاصل کرنا چاہے وہ ابن اسحاق کا لازمی خوشہ چیں ہوگا۔ ابن شہاب زہری نے بھی یہی رائے ظاہر کی۔ انکے الفاظ تھے "من اراد المغازی فعلیہ ابن اسحاق[۳]"

یحییٰ بن معین، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید القطان اور امام احمد بن حنبلؒ ان کی حدیث کو تسلیم کرتے تھے۔ محمد بن اسحاق کی فضیلت کی سب سے بڑی سند یہ ہے، کہ الخطیب البغدادی نے تاریخ بغداد کے تراجم میں آغاز انہی سے کیا ہے، فرماتے ہیں:-

لم ار الی جملۃ المحمدین الذین کانوا فی مدینۃ السّلام من اہلہا والوارد علیہا اکبر سنّاً واعلیٰ اسناداً واقدم موتاً منہ[۴]"

مدینۃ السّلام کے رہنے والے اور باہر سے آنے والے محمدوں میں ان سے کوئی دوسرا نہ عمر میں بڑا تھا۔ . . . . . . نہ اسناد میں اونچا تھا، اور نہ کوئی ان سے پہلے مرا۔

محمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور سعید بن المسیب کو دیکھنے کا شرف پایا تھا۔ ابن شہاب الزہری، القاسم، ابا سلمہ، محمد بن علی بن حسینؓ اور نافع مولیٰ ابن عمر جیسے بڑے محدثین سے حدیث روایت کی[۵] وہ سیر و مغازی، ایام الناس، اخبار الناس و اخبار المبتداء و قصص الانبیاء میں عالم تھے۔ کئی بڑے

۱؎ الفہرست ابن الندیم ص ۹۲، ۹۳ ۲؎ ۳؎ ابن خلکان ص ۳ ص ۲۷۶ ۴؎ الخطیب جز اوّل ص ۲۱۹،
۵؎ الخطیب جز اوّل ص ۲۱۴

علماء نے یہ علوم ان سے سیکھے۔ خطیب نے علی بن المدینی کا قول نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم جن تیرہ اشخاص کو پہنچا ان میں ایک ابن اسحاق بھی تھے۔[1]

ابن عیینہ کا بیان ہے، کہ ابنِ شہاب زہری کے پاس ایک بار ابنِ اسحاق آئے۔ انھوں نے پوچھا کہاں تھے؟ ابن اسحٰق نے جواب دیا کہ جب تک آپ کے ساتھ آپ کے حاجب موجود ہیں، آپ تک کون پہنچ سکتا ہے۔ اسی وقت زہری نے اپنے حاجب کو حکم دیا کہ جب یہ ہم سے ملنے آئیں انھیں مت روکنا۔ ابن شہاب الزہری ان کا بہت خیال کرتے تھے ان کی رائے تھی کہ مدینہ میں اس وقت تک خوب علم رہے گا جب تک ابن اسحاق وہاں رہیں گے۔ زہری ابن اسحاق کو مغازی میں علم الناس مانتے تھے۔[2] یحییٰ بن معین بھی ابن اسحاق کی وسعت معلومات سے بہت متاثر تھے' وہ ابن قتادہ کا یہ قول سنایا کرتے ' لایزال فی الناس علم ما عاش محمد بن اسحاق"[3]

خطیب کا بیان ہے۔ کہ انھوں نے اپنی پہلی کتاب "سیرۃ" کی تالیف خلیفہ مہدی کی فرمائش پر کی تھی وہ مہدی سے ملنے آئے تھے' مہدی کے سامنے اس کا بیٹا بیٹھا تھا۔ اس نے ان سے پوچھا یہ کون ہے؟ ابن اسحاق نے جواب دیا کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں۔ مہدی نے کہا کہ بس تشریف لے جایئے اور اس کی خاطر آدم کی تخلیق سے لے کر اس وقت تک کی تاریخ لکھ لایئے۔

ابن اسحاق جب کتاب مکمل کر کے لائے تو وہ بہت طویل تھی۔ مہدی نے اسے مختصر کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے مختصر تالیف کی موجودہ سیرت ابن اسحاق یہی مختصر تالیف ہے۔ بڑی تالیف انھوں نے شاہی کتب خانہ میں داخل کر دی۔

خطیب کی ذاتی رائے یہ ہے کہ ابنِ اسحاق نے مہدی کی فرمائش پر نہیں ابوجعفر منصور کی فرمائش پر یہ کتاب تالیف کی تھی۔[4] ابن خلکان کا بیان بھی یہی ہے کہتے ہیں:

"وکان محمد بن اسحاق قد اتی ابا جعفر المنصور وھو بالحیرۃ فکتب لہ المغازی"[5]

---

[1] الخطیب جزء اوّل ص۲۱۵ [2] ایضاً ص۲۱۹ [3] ایضاً ص۲۲۰ [4] الخطیب جزء اوّل ص۲۲۱ [5] ابن خلکان جزء ۲ ص۳۰۵

یاقوت کا بھی یہی بیان ہے[1]

بہرحال ابن اسحاق بنو عباس کے دور کے پہلے مورخ ہیں۔ جنھوں نے ہماری تاریخ مرتب کی۔ یاقوت نے المزباقی کا قول نقل کیا ہے کہ:۔

"اسحاق اول من جمع مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

ابن خلکان کا بیان ہے کہ سیرت ابن ہشام، ابن اسحاق کی کتب سے ماخوذ ہے یہاں تک کہ سیرت میں جس نے بھی جو کچھ لکھا وہ سب ابن اسحاق کا صدقہ و فیض ہے۔

"وکذالک کل من تکلم فی ھذا الباب فعلیہ اعتمادہ والیہ استنادہ"[2]

ابن اسحاق مدینہ سے جب چلے تو ابو جعفر منصور رحیرہ میں تھے، یہیں انھوں نے اپنی کتاب المغازی ابو جعفر کی خدمت میں پیش کی۔ کوفہ کے لوگوں کو سب سے پہلے مغازی کے سماع کا شرف حاصل ہوا تھا۔

یاقوت کی روایت کے مطابق وہ پہلے جزیرہ پہنچے تھے، پھر وہ آئے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی ان سے سماع کیا۔ ان دونوں شہروں میں ابن اسحاق کے شاگرد مدینہ کی نسبت بہت زیادہ تھے۔ رے سے ابن اسحاق بغداد آئے۔ وہیں آخر تک قیام فرمایا، وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ابن خلکان نے ان کی موت کے سال کے بارے میں کئی روایات نقل کی ہیں ۱۵۱ - ۱۵۲ - ۱۵۳ - ۱۵۴ اور ۱۵۵۔ مگر راجح خیال یہ ہے کہ وہ ۱۵۱ھ ہجری میں فوت ہوئے[3]

الخطیب نے بھی ابن اسحاق کی موت کے سلسلہ میں مختلف روایات بیان کی ہیں پہلی تین روایات کی رو سے ابن اسحاق ۱۵۰ھ ہجری میں فوت ہوئے دوسری دو روایات ۱۵۱ھ ہجری سن وفات ظاہر کرتی ہیں جناب علی بن مدینی نے اس امر کی تصدیق کی، کہ ابن اسحاق کا سن وفات ۱۵۲ھ تھا۔ امام یحییٰ بن معین نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے۔ الخطیب کا خیال ہے کہ ابن اسحاق ۱۵۳ھ ہجری میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے[4]

سیرت ابن ہشام کے نام سے جو کتاب اس وقت بازار میں مکتبوں اور لائبریریوں میں موجود ہے، یہ

---

[1] یاقوت جزء ۱۸ صفحہ [2] ابن خلکان جزء ۳ صفحہ ۴۰۵، ۴۰۶ [3] یاقوت جزء ۶ صفحہ

[4] الخطیب جزء اول صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴

در حقیقت محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی والسیر ہے جسے ابن ہشام نے مرتب کیا تھا۔[1]

الواقدی

ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی دوسرے بڑے مورخ ہیں جنھوں نے بنو عباس کے شروع دور میں غیر معمولی شہرت پائی تھی۔ الخطیب ان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وهو ممن طبق شرق الارض وغربها ذكره ولم يخف على احد عرف اخبار الناس امره وسارت الركبان بكتبه في فنون العلم من المغازي والسير والطبقات واخبار النبي والاحداث التي كانت في وقته وبعد وفاته وكتب الفقه واختلاف الناس في الحديث[2]

یہ وہ شخص ہیں جن کی شہرت مشرق و مغرب میں پھیل گئی تھی، اور اخبار الناس سے آگاہی رکھنے والے کسی بھی آدمی سے ان کا نام اور ان کی کیفیت پوشیدہ نہ تھی۔ انھوں نے فنون علم میں "بوجھوں" کتابیں لکھ ڈالیں، مغازی، سیرت، طبقات، اخبار النبیؐ، احداث، فقہ اور اختلاف الناس سبھی موضوعوں پر ان کی تصانیف موجود ہیں۔

ابن خلکان نے ان کا ذکر اس طرح شروع کیا ہے:۔

كان اماما عالما، له التصانيف في المغازي[3] وغيرها. وله كتاب الردة.

وہ امام اور عالم تھے، مغازی میں ان کی تصانیف ہیں۔ کتاب الردہ بھی ان کی ایک تصنیف ہے۔

یاقوت حموی ان سے بہت متاثر تھے۔ انھوں نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:۔

احد اوعية العلم وصاحب التصانيف الكثيرة. سمع من مالك بن انس والثوري. ومعمر بن راشد ابن ابي ذئب وغيرهم. وروى عنه جماعة من الاعيان وكاتبه محمد بن سعد الزهري، وكان عارفا بآراء مالك وسفيان الثوري[4]۔

وہ بڑے علما میں سے ایک تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مالک بن انس، سفیان الثوری، ابی ذویب جیسے بڑے علما سے حدیث سُنی۔ ان سے آگے بڑے علما نے روایت کی۔ جن میں ان کے کاتب ابن سعد بھی تھے۔ وہ مالک اور سفیان الثوری کی فقہ و رائے کے عارف تھے۔

۱؎ الکنفا المقنوع صفحہ ۶۲؛ ۲؎ الخطیب جزء ثالث صفحہ ۳، ۳؎ ابن خلکان جزء ثالث صفحہ ۴۷۶؛ ۴؎ یاقوت حموی معجم الادبا جزء ۱۸ صفحہ ۲۷۷، ۲۷۸۔

یاقوت نے ابوداؤد حافظ کا قول نقل کیا ہے کہ واقدی نے تیس ہزار غریب احادیث روایت کیں۔ اس کے باوجود وہ مغازی، سیر، اخبار، ایام الناس والوقائع اور فقہ میں ان کے علم کی کوئی انتہا نہ تھی۔

امام ابراہیم الحربی بہت پائے کے عالم تھے۔ وہ واقدی کو "امین الناس علی الاسلام" کہا کرتے تھے مصعب بن زبیر نے قسم کھا کر کہا تھا:۔ ما رأینا مثل الواقدی[1] یزید نے بھی کہا:۔ "الواقدی ثقة مامون"

یاقوت نے ابن سعد کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے واقدی سے سنا تھا:۔

ما من احد الا کتبہ اکثر من حفظہ وحفظی اکثر من کتبی[2]

دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی کتابیں اس کے حافظے سے زیادہ نہ ہوں۔ لیکن میرا حافظہ یا یادداشت میری کتابوں سے کہیں زیادہ ہے۔

انہیں کتابوں سے بے حد محبت تھی۔ کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا۔ وہ جب جانب غربی سے دوسری سمت منتقل ہوئے تو ان کی کتابیں ایک سو بیس (۱۲۰) بوجھ نکلیں[3]

مروان بن محمد کے عہد خلافت میں مدینہ میں پیدا ہوئے (سنہ ۱۳۰ھ)۔ وہیں پرورش پائی۔ حضرت مالک بن انس اور ابی ذہیب سے تعلیم پائی۔ اور اپنی طبعی ذہانت اور غیر معمولی حافظہ کے سبب بڑے اساتذہ میں گنے جانے لگے۔

الخطیب نے ان کی زبانی ان کے مدینہ سے نکلنے اور بغداد آنے کا قصہ لکھا ہے۔ مدینہ میں وہ گندم کی مضاربت[4] کا کام کرتے تھے۔ اس میں ایک لاکھ درہم کا نقصان ہوا تو مدینہ سے بغداد کا رخ کیا۔ یحییٰ برمکی کی شہرت سنی تھی۔ اس لئے ان کے مکان پر پہنچے۔ دربانوں نے اندر جانے کی اجازت نہ دی۔ البتہ یحییٰ کے دستور کے مطابق کھانے کے وقت تک انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔ یحییٰ کے لئے جب دسترخوان بچھتا تو اس وقت ہر شخص کو اس دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت تھی۔ اس دن جب دسترخوان بچھا تو دربانوں نے جناب واقدی کو بھی اس پر بٹھا دیا۔ یحییٰ نے ان سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انھوں نے اپنا نام بتایا۔ گو اس روایت میں تصریح نہیں ہے کہ یحییٰ ان کے نام سے واقف تھے۔ لیکن گمان غالب ہے کہ یحییٰ جیسا دانا وزیر لازمی طور پر ان کی شہرت

---

[1] یاقوت حموی معجم الادباء جزء ۱۸ صفحہ ۲۷۷، ۲۷۸؛ [2] ایضاً صفحہ ۲۸۱؛ [3] الخطیب جزء ۳ صفحہ ۶؛ [4] الخطیب جزء ۳ صفحہ ۵

سن چکا تھا۔ اس لئے جب کھانا کھا چکے اور ہاتھ دھو لئے اور انھوں نے اس کی پیشانی چومنے کے لئے اس سے قریب ہونا چاہا تو اس نے اس کی اجازت نہ دی۔ وہ اُٹھے سوار ہونے کی جگہ پر آئے، ابھی سوار نہ ہو پائے تھے کہ ایک خادم نے انھیں آن پکڑا، وزیر کا سلام کہلا ایک تھیلی دی اور کل آنے کی درخواست کی۔ اس تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، ایک ہزار دینار رخصتی کے وقت انھیں پھر دیئے گئے اور دوسرے دن کی دعوت بھی دی گئی۔ متواتر چار دن تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ پانچویں دن یحییٰ نے انھیں اپنا سر چومنے کی اجازت بھی دی اور شاہی ملازمت کا پروانہ بھی دیا۔ ان کے رہنے کے لئے ایک مکان مخصوص ہوا۔ دو لاکھ درہم نقد عطا ہوئے۔ ایک لاکھ قرضہ چکانے کے لئے اور ایک لاکھ ذاتی خرچ کی خاطر۔

یحییٰ سخاوت میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اور زیرک بھی بہت تھے۔ کچھ واقدی کی شہرت سے متاثر ہوئے تھے، کچھ چار دن متواتر ملنے سے ان کی عظمت و بزرگی کو پا گئے تھے۔ اس لئے اتنا بڑا اعزاز انھیں بخشا اور ہارون کی اجازت سے انھیں بغداد کا قاضی مقرر کیا۔ ہارون کی موت تک وہ اس منصب پر قائم رہے۔ ہارون کے مرتے ہی وہ شام اور رقہ چلے گئے اور جب تک مامون بغداد نہیں آیا، وہ شام و رقہ میں رہے۔ مامون نے انھیں بغداد آتے ہی معسکر مہدی کا قاضی بنایا۔ الخطیب فرماتے ہیں۔ مامون ان کا بہت احترام کرتا۔ ابن خلکان نے بھی اس بات کی تائید کی ہے[1]۔ موت کے وقت تک وہ اس عہدہ جلیلہ پر مامور رہے۔

وہ بڑے سخی تھے، اس درجہ سخی کہ کبھی کبھی اپنی غیر معمولی سخاوت کے سبب مفلس ہو جاتے اور کبھی کبھی تو ایسا نازک وقت آتا کہ اپنی اور اپنے بچوں کی معمولی ضروریات پوری نہ کر سکتے۔ ایک بار تو عین عید کے وقت ان کے پاس کچھ نہ رہا تھا اور ان کی بیوی نے انھیں ان کے افلاس سے اچانک مطلع کیا تھا۔ اور وہ اپنے ایک دوست تاجر سے بارہ سو درہم مانگ کر لائے تھے۔ ابھی تھیلی کھولی نہ تھی کہ ان کے ایک ہاشمی دوست نے ان سے اپنی تکلیف کہی اور انھوں نے یہ تھیلی اسے سونپ دی، عجیب اتفاق ہوا کہ وہی تاجر دوست جس سے یہ قرض لائے تھے، اپنے ایک اور دوست کے لئے کوئی رقم قرض لینے کے لئے اسی ہاشمی کے پاس آئے جنھیں واقدی نے "تھیلی" سونپی تھی۔ اس نے یہ تھیلی اسی تاجر کے سپرد کر دی اور تاجر نے یہ تھیلی

---

[1] الخطیب جزء خامس صفحہ ۳۰۴۔ ابن خلکان جزء ۳ صفحہ ۴۷۱۔

پہنچا ان لی اور واقدی کے پاس جا کے بہت داد دی۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ جب واقدی یحییٰ برمکی کی ملازمت میں تھے۔ اور کچھ مدت سے انھیں تنخواہ نہ ملی تھی، عین موقعہ پر یحییٰ کا پیغامبر انھیں بلانے کے لئے پہنچا۔ یحییٰ سے وُہ بے تکلف تھے انھوں نے تھیلی کا قصہ اس سے کہہ دیا۔ یحییٰ اس قدر خوش ہوئے کہ اسی وقت دس ہزار دینار انھیں بخشے۔ دو ہزار ان کے لئے، دو ہزار ان کے زبیر دوست کے لئے اور دو ہزار ہاشمی دوست کے لئے اور چار ہزار بیوی کے لئے جس نے تنگی کے باوجود بھری ہوئی تھیلی پوری کی پوری خاوند کو دے دی تھی۔ کہ ہاشمی کے سپرد کر دے۔

ابن خلکان نے مسعودی کی مروج الذہب کے حوالہ سے یہی قصہ کسی قدر اختلاف سے بیان کیا ہے گو ہمیں اس اختلاف سے کوئی غرض نہیں ہے، مگر اس سے اس قدر وضاحت اور ہوتی ہے کہ واقدی نے جب یہ سخاوت کی تھی اس وقت ان کی مالی حالت بہت خراب تھی اور ان کے بچوں کے کپڑے تک پھٹ چکے تھے[۲] ایسا وقت ایک بار اور بھی ان پر آیا، اس وقت مامون برسرِ منبر تھے۔ غالباً یہ مامون سے ان کے تعلق کا شروع دَور تھا۔ اور وہ اُسے اپنی مالی حالت سے آگاہ کرتے ہوئے شرماتے تھے، مگر آخر مجبوراً انھیں اسے اطلاع دینی پڑی۔ مامون ان کی فضیلت علم سے بہت متاثر تھا۔ اس لئے اس نے ان کے رقعہ کی پشت پر انھیں لکھا:

آپ میں دو خصلتیں ہیں سخاوت اور حیا۔ سخاوت کے سبب آپ کے پاس جو کچھ تھا خرچ کر چکے اور حیا نے آپ کو ہمیں اپنی حالت سے بروقت مطلع کرنے سے روکا۔ ہم نے آپ کے لئے اتنی رقم کا حکم دے دیا ہے کہ آپ خوب ہاتھ کھول کر خرچ کیجئے۔ اللہ کے خزانے کھلے ہیں۔

آپ ہی نے تو ہمیں رشید کے زمانہ میں جب کہ آپ ان کے قاضی تھے۔ ایک حدیث سنائی تھی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تھا:۔

اے زبیر رزق کے دروازے عرش کے دروازے کے روبرو کھلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے خرچ کے مطابق رزق دیتا ہے۔ جو کم خرچ کرتے ہیں انھیں کم دیتا ہے

---

[۱] خطیب جزء ۵ صفحہ ۲ [۲] ابن خلکان جزء ۳ صفحہ ۱۱۸ یاقوت معجم الادباء جزء ۱۸ صفحہ ۲۸۲

اور جو زیادہ خرچ کرتے ہیں انھیں زیادہ[1]

یہ حدیث سنانے کے ساتھ ساتھ مامون نے واقدی کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔

الخطیب نے واقدی کے بارے میں ان کے دور کے بزرگ علماء کے قول نقل کئے ہیں جن سے واقدی کی عظمت اور بعض کمزوریوں کا علم ہوتا ہے۔ خطیب نے سب سے پہلے، محمد بن سلام الجمحی کا قول نقل کیا ہے۔ الجمحی نے فرمایا: محمد بن عمر الواقدی، عالم دھرہ۔ محمد بن عمر واقدی اپنے زمانہ کے عالم تھے۔

ابراہیم بن حربی نے فرمایا: "الواقدی امن الناس علی اھل الاسلام"

مامون نے کہا: ماقدمت بغداد الا لاکتب کتب الواقدی" یعنی میں بغداد میں محض اس لئے آیا کہ واقدی کی کتابیں لکھوں۔ ابراہیم الحربی کا ایک اور قول: "کان الواقدی اعلم الناس بامر الاسلام" (یعنی) واقدی تمام لوگوں سے زیادہ امر اسلام سے واقف تھے۔

ابن الحربی سے اسحاق بن حنبل نے پوچھا: میں مالک کے مسائل لکھنا چاہتا ہوں، آپ فرمائیں کون سے مسائل لکھوں؟ انھوں نے جواب دیا: جو واقدی کے پاس ہوں[2] اسحاق نے عرض کیا: یا ابن وھب کے؟ کہا نہیں صرف واقدی کے۔ پہلے واقدی ہیں پھر ابن وھب۔

محمد بن صالح کہتے ہیں کہ امام مالک سے کسی نے اس عورت کے انجام کے متعلق پوچھا جس نے خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کھلایا تھا۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے میں کسی اہل علم سے پوچھوں گا، پھر کہوں گا۔ وہ واقدی سے ملے اور ان سے پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل کروا دیا تھا۔ یہی بات حضرت امام مالک نے آگے کہہ دی اور فرمایا: ہم نے اہل علم سے پوچھا، انھوں نے یہ جواب دیا ہے[3]۔ گویا امام مالک کے نزدیک واقدی اہل علم تھے۔

الذہبی نے ایک موقعہ پر فرمایا:-

"واللہ لولا انہ عندی ثقۃ ماحدث عنہ اربعۃ ائمۃ" اگر وہ میرے نزدیک ثقہ نہ ہوتے۔ تو ان سے چار بڑے ائمہ روایت نہ کرتے۔

---

[1] الخطیب جزء ۳ صفحہ ۱۹، ابن خلکان جزء ۳ صفحہ ۱۲۸۳ یاقوت جزء ۱۸، [2] الخطیب جزء ۳ صفحہ ۹، [3] الخطیب جزء ۳ صفحہ ۸

ابوبکر بن ابی شیبہ - ابوعبید القاسم - ابا خیثمہ اور ایک شخص الدراوردی بھی بڑے عالم تھے۔ ان سے کسی نے واقدی کے بارے میں پوچھا: انھوں نے فرمایا کیا غضب کرتے ہو۔ مجھ سے واقدی کے بارے میں پوچھتے ہو حالانکہ واقدی سے میرے بارے میں پوچھنا چاہیئے۔ ان کے الفاظ تھے: تسألنی عن الواقدی سل الواقدی عنی[1] الدراوردی نے انھیں امیرالمؤمنین فی الحدیث بھی کہا تھا۔[2]

مصعب الزبیری نے فرمایا: - واللہ ما رأینا مثلہ قط عبداللہ بن مبارک جیسے بڑے محدث نے تو یہاں تک کہا:-

"کنت اقدم المدینہ فما یفیدنی و لا یدلنی علی الشیوخ الا الواقدی"۔

میں مدینہ آیا تو مجھے واقدی کے سوا کسی دوسرے شیخ نے فائدہ نہ پہنچایا، یا میری رہنمائی نہ کی۔[3]

الشاذکونی جیسے بڑے امام حدیث نے واقدی سے احادیث کا ایک ورق نقل کیا تھا، اور اس کا آگے ذکر بھی کیا۔

سیبی سے پوچھا گیا کہ واقدی کیسے ہیں فرمایا: ثقہ مامون ابن نمیر سے کسی نے پوچھا، واقدی کیسے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ "ہم سے وہ جو روایت کرتے ہیں اس میں ہمارے ہم پلہ ہیں۔ مدینہ والوں کی احادیث میں وہ ہم سب سے بڑے عالم ہیں[4] یزید بن ہارون بھی انھیں ثقہ مامون کہتے ہیں عباس عنبری تو انھیں عبدالرزاق جیسے بڑے محدث پر ترجیح دیتے اور[5] ابو عبید بھی انھیں ثقہ سمجھتے تھے۔[6]

اس کے باوجود بعض بڑے ائمہ حدیث نے واقدی پر جرح بھی کی۔ ان جرح کرنے والوں میں امام علی بن المدینیؒ زیادہ مقدم تھے۔ ان کے بیٹے عبداللہ نے ان کی رائے بیان کی ہے: "عند الواقدی عشرون الف حدیث لم یسمع بہا"[8]

ان ہی کا بیان ہے: "سمعت ابی یقول محمد بن عمر الواقدی لیس بموضع للروایۃ"۔ میں نے اپنے باپ سے سُنا فرمایا واقدی روایت کے قابل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس سے روایت

---

[1] [2] [3] الخطیب جزء ۳ صـ۹ ، [4] الخطیب جزء ۳ صـ۱۰ ، [5] الخطیب جزء ۳ صـ۱۱ ؛

[6] الخطیب جزء ۳ صـ۱۲ ، [8] الخطیب جزء ۳ صـ۱۳

نہ کرتے اور اسے ضعیف سمجھتے۔

علی بن مدینی بہت بڑے نقاد تھے۔ ان ہی کے ہم پلہ یحییٰ بن معین تھے۔ ان کا قول ہے: "اغرب الواقدی علی رسول اللہؐ عشرین الف حدیث"

واقدی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیس ہزار غریب حدیثیں منسوب کیں، اور اس کا سبب یہ بیان کیا کہ واقدی نے ابن ابی یحیٰی سے بہت سی حدیثیں روایت کیں اور یہ شخص ان کے نزدیک ثقہ نہ تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ کی رائے بھی واقدی کے بارے میں کچھ زیادہ وزنی نہ تھی۔ ان کا خیال تھا کہ واقدی اسانید میں غلط کر دیتے ہیں۔ امام صاحب کے الفاظ تھے۔ الواقدی یرکب الاسانید یہی خیال یحییٰ بن معین کا بھی تھا[۱]۔ وہ انھیں کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ امام شافعیؒ نے انھیں کذب سے متہم بھی کیا تھا[۲]۔ اسی طرح ایک اور بڑے امام حدیث منذر ابن بشار بھی انھیں یہی الزام دیتے تھے۔ امام بخاریؒ بھی انھیں متروک الحدیث قرار دیتے تھے[۳]۔ رازی نے اس کی تائید کی ہے۔ ترک الناس حدیثہ۔ لوگوں نے ان کی احادیث ترک کی ہیں۔ امام نسائیؒ بھی انھیں متروک الحدیث سمجھتے تھے۔

ابن الحربی کا بیان ہے کہ احمد بن حنبلؒ واقدی کی احادیث اس لئے قبول نہ کرتے تھے کہ وہ بہت سی اسناد آپس میں ملا دیتے اور متن ایک ہوتا۔ ابن الحربی واقدی کے بہت مداح تھے۔ انھیں وہ بے مثال عالم جانتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے علمائے حدیث ان کی حدیث قبول نہ کرتے تھے[۴]۔

یاقوت حموی نے بھی اس بیان کی تصدیق کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"وھو مع ذالک ضعفہ طائفۃ من المحدثین کابن معین ابی حاتم والنسائی، ابن عدی، ابن راھویہ والدارقطنی۔ واما فی اخبار الناس والسیر والفقہ وسائر الفنون فھو ثقۃ باجماع" اس کے باوجود محدثین کا ایک گروہ

---

[۱] الخطیب جزو ۳ صـ۱۳۔ [۲،۳] الخطیب جزو ۳ صـ۱۵۔

[۴] ابن خلکان جزو ۲ صـ۱۶۷

مثلاً ابنِ معین، ابی حاتم، نسائیؒ، ابن عدیؒ، ابنِ راہویہ اور دارقطنی انھیں ضعیف سمجھتے تھے۔ لیکن یہ محض حدیث میں تھا، البتہ اخبار الناس، سیرت، فقہ اور دوسرے فنون میں وہ ثقہ تھے اور اس پر اجماع ہے۔ یاقوت کی یہ رائے کسی طرح رد نہیں کی جاسکتی۔ اگر پانچویں صدی ہجری تک علماء واقدی کے علم فی اخبار الناس، سیر و فقہ کو حجت سمجھتے اور ان کا اس پر اجماع تھا۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ پانچویں صدی ہجری کے بعد انھیں مجروح کیا جائے۔[1]

گو ہمیں واقدی کی پوری تصانیف دیکھنے کی سعادت نہیں ملی محض ان کی فتوح الشام، فتوح العراق اور المغازی پڑھنے کا موقعہ ملا ہے مگر ہمارا اندازہ ہے کہ انھوں نے روایت کے اخذ میں وہ احتیاط نہ کی تھی جو مؤرخ طبری، یعقوبی اور مسعودی نے کی۔ ابنِ قتیبہ اور وہ دونوں قریب قریب ہم پلّہ تھے۔ واقدی کے فتوح الشام اور فتوح العراق کی بعض روایات تو اس دور میں قطعاً قابلِ قبول نہیں ہیں۔ مثلاً فتوح العراق میں وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ایک سفر کا ذکر کرتے ہیں۔ اس میں انھیں شہیدوں کی روحیں مجسّم صورت اختیار کئے گھوڑوں پر سوار ملی تھیں۔ ایسی روایات ضعیف روایات کی دلیل تو نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ واقدی تک یہ روایت صحیح واسطوں سے پہنچی ہو اور اس روایت کا اصل محض حسنِ عقیدت ہو۔[2]

واقدی کے بارے میں لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ انھوں نے محض فتوح پر لکھا، حالانکہ یاقوت کے بیان کے مطابق ان کی تصانیف بہت تھیں :۔

(۱) کتاب الاختلاف (۲) کتاب غلط الحدیث (۳) کتاب السنہ والجماعتہ وذم الھویٰ (۴) کتاب ذکر القرآن (۵) کتاب الاداب (۶) کتاب الترغیب فی علم القرآن (۷) التاریخ الکبیر (۸) کتاب التاریخ والمغازی والبعث (۹) اخبار مکّہ (۱۰) کتاب ازواج النبیؐ (۱۱) کتاب وفاۃ النبیؐ (۱۲) کتاب السقیفہ وبیعتہ ابی بکر (۱۳) کتاب سیرۃ ابی بکر صدیقؓ ووفاتہ (۱۴) کتاب الردّہ (۱۵) کتاب السیرۃ (۱۶) کتاب امر الحبشہ والفیل (۱۷) کتاب حرب الاوس والخزرج (۱۸) کتاب المناکح (۱۹) کتاب یوم الجمل (۲۰) کتاب صفین (۲۱) کتاب مولد الحسنؓ والحسینؓ (۲۲) کتاب مقتل الحسینؓ (۲۳) کتاب فتوح الشام (۲۴) کتاب فتوح العراق (۲۵) کتاب ضرب الدنانیر والدراہم (۲۶) کتاب مراعی قریش والانصار فی القطائع (۲۷) وضع عمر الدواوین (۲۸) تاریخ الفقہا (۲۹) کتاب الطبقات۔[3]

---

[1] یاقوت جزو ۳ صفحہ ۲۷۹ [2] فتوح العراق [3] یاقوت جزو ۱۸ صفحہ ۲۸۱، ۲۸۲۔

خط کشیدہ کتابیں کتنے اچھے موضوعات پر لکھی گئی تھیں۔ اسے کاش زمانہ انھیں باقی رہنے دیتا۔ اس وقت نقود پر مقریزی کے رسالہ کے سوا کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ اگر واقدی کی یہ تصانیف لوگوں کے ہاتھ آتیں، تو یہ موضوع تشنہ نہ رہتا۔

ابن سعد واقدی کے شاگرد ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے نام سے جو کتاب الطبقات مشہور ہوئی اس میں واقدی کا کتنا ہاتھ تھا۔ جیسا کہ یاقوت کی فہرست ظاہر کرتی ہے، واقدی نے طبقات کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی تھی۔

واقدی پر بعض ہندوستانی علما نے بھی جرح کی ہے۔ مگر جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا، آج جرح آسان نہیں ہے۔ جرح اس وقت کی جا سکتی تھی جب رجال کا علم تازہ تھا۔ اور جرح کا حق ابن المدینی، یحییٰ بن معین، نسائیؒ، احمد بن حنبل اور بخاری کو یقیناً تھا۔ اس لئے کہ ان کی نظر رجال پر خوب تھی۔ ہمارے ہندوستانی علماء کس منہ سے جرح کر سکتے ہیں جب کہ ان کا علم رجال بہت ناقص ہے۔

واقدی نے ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔ مسعودی ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: وفی سنة تسع و مائتین مات الواقدی۔ وهو محمد بن عمر بن واقد مولیٰ لبنی هاشم وهو صاحب السیر والمغازی وقد ضعف فی الحدیث۔[1] موت کے وقت واقدی کی عمر ۷۷ برس تھی۔

اکتفاء القنوع کے مصنف کا بیان ہے کہ الواقدی کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور المغازی یا غزوات النبویہ ہے۔ یہ کتاب علامہ عسادی فون کریمر کے اہتمام سے ۱۸۵۵ء میں کلکتہ سے چھپی۔ دوسری بار محمد شاہین کے مطبع سے ۱۲۴۸ھ میں تیسری بار مطبع محروسہ سے ۱۳۰۹ھ میں اس مجموعہ کا نام "فتوح الاسلام" رکھا گیا۔

— کتاب المغازی کا ایک حصہ جو فتح جزیرہ سے متعلق ہے علامہ المانی ایوالد نے چھاپا تھا۔[2]

الواقدی کی یہ تصنیف اس کے بعد بھی مصر سے چھپ چکی ہے۔ اردو میں بھی اس کے دو ترجمے ہو چکے ہیں جو ہمارے خیال میں ناقص ہیں۔

(باقی آئندہ)

---

[1] المسعودی، مروج الذہب جز ۳ ص ۳۵۵؛ [2] اکتفاء القنوع ص ۶۵